اور یوں اس طرح لسان العرب کے مؤلف سید مرتضٰی زبیدی کے استاد بھائی تھے۔

اپنی تصنیف ہیئت العالم میں شیخ محمد اعظم نے جو علمی سوالات اپنے استاذ مولانا خیرالدین سے کیے تھے، ان کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ محمد اعظم ۱۱۶۰ھ تک سورت میں موجود تھے، اسی سال سندھ کا مشہور مؤرخ میر علی شیر قانع ٹھٹوی سورت گیا تھا اور وہاں اس کی ملاقات شیخ محمد اعظم سے ہوئی تھی۔

شیخ محمد اعظم کے وسائل معیشت کیا تھے، اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن ان کی تالیف ہیئت العالم سے پتہ چلتاہے کہ وہ سورت میں میر حفیظ الدین کے پاس نوکر تھے۔ قیاس چاہتا ہے کہ سورت میں ان کا قیام ملازمت کی وجہ سے تھا۔

ہندوستان کے جن شہروں کا انھوں نے سفر کیا تھا، ان کا تذکرہ انھوں نے اپنی تالیف ہیئت العالم میں کیا ہے۔ مثلاً وہ مسقط بندر، قندھار، کشمیر وغیرہ گئے تھے اور وہاں کے بعض مشاہدات کا تذکرہ بھی انھوں نے ہیئت العالم میں کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتاہے کہ وہ آخر عمر میں اپنے وطن ٹھٹھ میں مقیم ہوگئے تھے اور ان کے نام حکومت سندھ نے منصب بھی جاری کیا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے یہ منصب بند ہوگیا۔ جس کی وجہ سے ان کے دو سال بڑی پریشانی اور عسرت میں گزرے، یہاں تک کہ وہ منصب میاں نور شاہ مجذوب کی پیش گوئی سے جاری ہوا اور ان کے دن تنگ دستی سے فراخ دستی میں بدل گئے۔

شیخ محمد اعظم شاعر بھی تھے اور شعر گوئی اور سخن سنجی میں پاکیزہ ذوق کے مالک تھے۔ لیکن ان کے مجموعۂ کلام کا بھی ابھی تک پتا نہیں چل سکا۔ ان کی کتاب ہیئت العالم میں حمد و نعت کے چند اشعار اور چند وہ اشعار ملتے ہیں جو انھوں نے میر سہراب خاں ٹالپر کی مدح میں کہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتاہے کہ شیخ محمد اعظم نے متعدد کتابیں لکھی تھیں لیکن مرورِ زمانہ سے ضائع ہوگئیں۔ اب تو ان کی جو دو کتابیں ملی ہیں وہ یہ ہیں:-

۱- تحفۃ الطاہرین کو ۱۹۵۶ء میں سندھ ادبی بورڈ نے جناب آغا بدیع الدین درانی مرحوم سابق اسپیکر سندھ اسمبلی سے ایڈٹ کراکر شائع کیا ہے۔ اس پر سندھی میں آغا مرحوم کا فاضلانہ

تدمہ جس سے اس کتاب کے مؤلف کی شخصیت پہلی مرتبہ واضح طور پر سامنے آئی ہے۔ آغا صاحب کے جابجا ضروری اور معلوماتی حواشی نے اس کتاب کی خوبیوں میں کئی گنا اضافہ کردیا ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

۲۔ شیخ محمد اعظم کی دوسری تالیف جغرافیے پر ہیئت العالم کے نام سے ہے، جس کو انھوں نے والیٔ خیرپور میر سہراب خاں ٹالپر کے نام سے معنون کیا تھا۔

ہیئت العالم میں اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے شیخ محمد اعظم نے لکھا کہ جب وہ سورت میں میر حفیظ الدین کے یہاں ملازم تھے، ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ دازی سیر وسیاحت میں جنگلوں، پہاڑوں، آبادیوں اور ویرانوں سے گزر رہے ہیں۔

اس خواب کو دیکھ کر وہ نہایت پریشان ہوئے اور دل میں سوچنے لگے، سبحان اللہ! میری تمنا تو یہ تھی کہ بقیہ عمر آسایش وسکون سے بسر کروں لیکن خدا جانے اس خواب کی تعبیر کیا قرار پاتی ہے۔ شیخ کو اپنا یہ خواب اپنے مرشد مولانا خیرالدین سے بیان کیا۔ مولانا نے مراقبے کے بعد فرمایا کہ خوش و مطمئن رہو، تم ایسی کتاب تالیف کروگے کہ اس جام جہاں نما میں عالم دکھائی دے گا کمر ہمت باندھ کر گوہر مقصود حاصل کرو۔

مرشد کے اس ارشاد کے بعد شیخ محمد اعظم نے ہیئت العالم کو لکھنا شروع کیا۔ اس کا ایک مخطوطہ سندھی ادبی بورڈ کی لائبریری میں موجود ہے۔ یہ مخطوطہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں سندھ سے متعلق بھی تھوڑا سا حصہ ہے، جس میں بکھر، الور، سیوستان، حیدرآباد اور ٹھٹے کے حالات نہایت اختصار سے دیئے گئے ہیں۔

شیخ محمد اعظم نے کب وفات پائی، اس کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اندازہ یہ ہے کہ وہ بارہویں صدی ہجری کے وسط میں میاں نور محمد کلہوڑا کے عہد حکومت (۱۱۳۰ھ تا ۱۱۶۷ھ) میں پیدا ہوئے۔ نادر شاہ کا سندھ پر حملہ، کلہوڑوں کی باہمی خانہ جنگی، ان کا زوال اور ٹالپروں کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ انھوں نے دیکھا اور اس کے بعد وفات پائی۔

(میری زیر تالیف کتاب اکابر سندھ کا ایک ٹکڑا)

از :- رشید فرزانہ
مترجم :- پروفیسر وانی ، الیس طاہر علی

شمس العلماء ، خان بہادر

میرزا قلیج بیگ

کے حالاتِ زندگی اور تصانیف[1]

اگر کوئی مرحوم قلیج بیگ کے مرتبہ اور تصانیف کے بارے میں اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اسے لازمی طور پر شاعر ہونا چاہیے اور سندھی زبان پر عبور بھی کما حقہ ہونا ضروری چاہیے۔ میں نہ تو شاعر ہوں اور نہ مجھے سندھی زبان پر عبور ہے۔ حیدرآباد میں ٹنڈو ٹھورو کے رہنے مرزاؤں سے میری واقفیت اس روز ہوئی جب میں مرحوم کے فرزند ارجمند مرزا اجمل بیگ سے جامعہ سندھ کے سندھی تحقیقات کے شعبے میں ملا۔ اس ملاقات نے مرزا فریدون بیگ اور مرزا خسرو بیگ کے خاندان والوں کے لیے خانۂ فرہنگ ایران میں آنے جانے کا موقعہ فراہم کردیا۔ خوش قسمتی سے یہ سلسلہ تا ہنوز قائم ہے اور بڑے مفید نتائج فراہم کر رہا ہے۔

چار سال پہلے میں نے میرزا قلیج بیگ کی لائبریری دیکھی تھی ، وہاں دیواروں پر ایران اور پاکستان کی بڑی بڑی شخصیتوں کی تصاویر آویزاں تھیں ۔ ان تصاویر کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ مجھے اس کی گزشتہ تاریخ سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بات چل نکلی کہ مرزا خسرو بیگ

---

[1] یہ مضمون دراصل فارسی زبان میں ہے (مترجم)

گرجی اور مرزا فریدون بیگ دوسرے اور گرجیوں کے ساتھ سندھ میں کیسے آئے۔ میں نے مہمانوں کی نشست گاہ میں ... بیگ کی روغنی تصویر بھی دیکھی اور ان کے بیٹے مرزا اسد بیگ سے مخاطب ہو کر چند باتیں پوچھیں۔ انھوں نے بتایا کہ مرزا قلیچ بیگ، فریدون بیگ کے تیسرے بیٹے تھے۔ اور یہ کتب خانہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے۔ مرحوم صاحب تصانیف و تراجم تھے اور انھوں نے چار سو ستاون کتابیں کئی زبانوں میں لکھی ہیں، مثلاً فارسی، سندھی، اُردو، عربی، انگریزی بلوچی اور سرائیکی

اسی دن میں نے عزم کر لیا تھا کہ مجھے مرحوم کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات حاصل کرنی ہیں۔ میرا تقرر حیدرآباد میں قریب ڈیڑھ سال رہا اور میں نے ان کے بارے میں حتی المقدور معلومات حاصل کرنے کی جستجو کی تاکہ میں ان کے اخلاق اور کسبِ کمال سے بہرہ مند ہو سکوں۔

مجھے انتہائی حیرت ہوئی جب میں نے سنا کہ مرحوم کے رہائشی مکان کے چاروں طرف سرسبز اور شاداب باغ تھا اور نہر پھلیلی سے آنے والے پانی سے بھری ہوئی نالیاں بہہ رہی تھیں، پھر بھی انھوں نے املتاس کے درخت کے قریب ایک آشیاں بنا رکھا تھا جہاں وہ روزانہ صبح آتے تھے اور تمام شور و غل سے دور رہ کر نہایت دلجمعی سے اپنے خیالات کو صفحۂ کاغذ پر قلمبند کیا کرتے تھے۔ گویا ان کا یہ نظریہ تھا کہ انسان کی زندگی ایک چراغ کی مانند ہے جو اپنی ضوفشانی سے ماحول کو روشن رکھتا ہے۔

اپنی ذمہ داریوں کے باوجود وہ سماجی اور معاشرتی کاموں سے غافل نہ رہے۔ انھوں نے اپنی اولاد کی تربیت اسلامی روایات سے کی ہے۔ چنانچہ آج بھی یہ خاندان اخلاق و کردار میں اور ایمان اور امانت کی رُو سے حیدرآباد میں بڑا ممتاز ہے۔

میرزا قلیچ بیگ کی زندگی میں بڑا ٹھہراؤ تھا۔ وہ ایک خاموش سمندر کی مانند تھے، جس کی تہہ میں بڑے گراں قدر آب و تاب والے موتی ہوتے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ

"میرے والد فریدون تھے اور میرے نانا خسرو تھے، میرا نام قلیچ ہے۔ میرے بزرگوں کے نام بادشاہوں کے نام پر تھے۔ لیکن میں تو ایک فقیر اور درویش ہوں"

اگر ہم مرزا قلیچ بیگ کی زندگی کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں تین باتیں نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ ان تین باتوں میں ان کی علمی، ادبی، ثقافتی اور مذہبی خدمات اور سماجی بہبود کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں:۔

(۱) خدا شناسی

(الف) خداشناسی کا وصف ان کے تمام کاموں میں نظر آتا ہے۔ ان کی لائبریری میں ان کے لکھنے پڑھنے کے سامان میں ایک لوہے کا ٹکڑا ہے جس کی شکل ایک ایسی قبر کی مانند ہے جو عام طور پر سندھ میں دکھائی دیتی ہے اور اس پر ایک قرمزی کپڑا چڑھا ہوا ہے۔ یہ وزنی ٹکڑا عموماً کاغذات پر رکھا جاتا ہے۔ کسی نے مرحوم سے اس کی شکل کے بارے میں دریافت کیا تو جواب دیا کہ "میں لکھنے کے لیے جیسے ہی قلم اٹھاتا ہوں تو میری نظر اس آہنی ٹکڑے پر پڑتی ہے۔ مجھے وہ اپنے رب کی یاد دلاتا ہے اور یہ کہ بالآخر مجھے ایسی ہی قبر میں تا حشر ابدی نیند سونا ہے"۔

(ب) حیدرآباد میں ٹنڈو ٹھورو کے محلے میں اس خاندان کا قبرستان نظر آتا ہے۔ مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک قبر تیار کر رکھی تھی اور ہر جمعہ کو بوقت شب اس قبر میں جایا کرتے تھے اور وہاں اطمینان سے ذکرِ خدا کیا کرتے تھے۔ بے شک اہل اللہ کا یہی شیوہ ہے، جس کی بنا پر وہ دنیا کی آلودگیوں اور ناپائیدار چیزوں سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہتے ہیں۔

(ج) مرحوم ہمیشہ موت کے لیے تیار رہتے تھے اور اسی کی آس میں جیتے تھے۔ اس ضمن میں ان کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس کا نام ذکر الموت ہے، اس کتاب میں وہ اپنی عمر کے ہر نئے سال پر کچھ اشعار فارسی میں لکھا کرتے تھے اور ان کی یہ وصیت تھی کہ کتاب کے آخری اشعار ان کی قبر پر کندہ کیے جائیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

عمرم بہ ہمیں سال چو ہفتاد شد و ہشت	آمد ملک الموت ز درگہ حق آخر
جب میری عمر اٹھتر سال کی ہوئی،	اس سال موت کا فرشتہ خدا کا حکم لے کر بالآخر آ گیا۔
گفتا کہ بسی زیستی در منزل دُنیا	شو عازم عقبیٰ کہ ببینی رُخِ داور
کہنے لگا تم دنیا میں بہت جیئے،	اب آخرت کا رُخ اختیار کرو تا کہ خدا کا دیدار کرو۔